تحقیق و تنقید

تدبرِ قرآن میں کلامِ عرب سے استشہاد

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

قرآن کریم کی تفسیر و توضیح کے لیے جہاں بہت سے علوم سے واقفیت و استفادہ ضروری ہے، وہیں کلامِ عرب بھی ایک اہم حیثیت کا حامل ہے۔ چونکہ قرآن کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس کی تفسیر کے لیے ان کی زبان اور اس کی نزاکتوں پر گرفت اور دسترس بہت ضروری ہے۔ بہت سے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اس پہلو کو پیش نظر رکھا ہے اور انھوں نے قرآنِ کریم کے غریب اور مشکل الفاظ کی عقدہ کشائی کے لیے جاہلی شاعری کا سہارا لیا ہے لیکن بعض حضرات کلامِ الٰہی کی تفسیر کلامِ عرب سے مناسب نہیں خیال کرتے، ان کے نزدیک یہ فواحش و منکرات کا مجموعہ ہے، عرب شعرا اپنے محبوب کی، اپنے قبائل اور گھوڑوں کی تعریف میں تمام حدود کو تجاوز کر گئے ہیں۔ ان کا کلام تمام تر مبالغہ آرائی پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن مجرد اس بنیاد پر کلامِ عرب سے استشہاد و استدلال کو غلط یا غیر مناسب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ تفسیرِ آیات میں مفسر کو صرف شعراء کے الفاظ اور زبان کی باریکیوں سے غرض ہوتی ہے، وہ ان کے افکار و خیالات سے تعرض نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے بھی جاہلی شعراء کے کلام سے تفسیرِ آیات کے باب میں بہ کثرت استشہاد و استدلال کیا ہے۔ ابن الانباری نے ان خیالات کے حاملین کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔

> "ہمارے مخالفین کا اعتراض اس وقت بجا ہوتا جب کہ ہم فی الواقع اشعارِ عرب کو (معاذ اللہ) قرآن کا مأخذ اور اس کی اصل قرار دیتے۔ ہم نے تو اشعارِ جاہلیت سے جہاں کہیں بھی استناد اور استشہاد کیا ہے وہاں ہماری غرض قرآن کے صرف غریب الفاظ کے معانی بیان کرنے سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود

فرمایا ہے: "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا" اور ارشاد باری ہے "بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ" یعنی ہم نے قرآن کو عربی بنایا اور عرب کی واضح زبان میں اس کو نازل کیا۔[1]

جاہلی کلام کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ "الشعر دیوان العرب" (اشعار اہل عرب کے علوم اور زبان کا دفتر ہیں) اگر ہمیں قرآن کے کسی لفظ کا ٹھیک مفہوم متعین کرنا ہو اور اس کے استعمال سے واقفیت حاصل کرنی ہو تو ہم لازماً اسی زبان کے دیوان کی طرف رجوع کریں گے اور اسی کے ذریعہ اسے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔[2]

مذکورہ خیال کی تائید میں ابوعبید نے اپنی کتاب "الفضائل" میں تحریر کیا ہے:

"مجھے ہشیم نے بواسطہ حصین بن عبدالرحمٰن از عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "ان سے قرآن کے معانی دریافت کیے جاتے تھے تو وہ دلیل میں شعر پڑھ کر سنا دیتے تھے۔"[3]

تفسیرِ قرآن کریم کے باب میں اشعار عرب سے مدد لینے والوں میں مولانا حمیدالدین فراہی (۱۸۶۳-۱۹۳۰ء) کا نام بھی سرفہرست ہے۔ انھوں نے اپنے تفسیری اجزا، نیز مفردات القرآن، اسالیب القرآن اور امعان فی اقسام القرآن میں استدلال واستشہاد کے لیے بے شمار اشعار نقل کیے ہیں اور اسی طرز کو ان کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں اپنایا ہے۔ چنانچہ وہ کلام عرب اور جاہلی خطباء کے بارے میں رقم طراز ہیں "قرآن مجید جس زبان میں اترا ہے وہ نہ تو حریری (۱۰۵۴-۱۱۲۲ء) اور متنبی (۹۶۵-۹۱۵ء) کی زبان ہے نہ مصر وشام کے اخبارات اور رسائل کی بلکہ وہ اس ٹکسالی زبان میں ہے جو امرأ القیس، عمرو بن کلثوم، زہیر اور لبید جیسے شعراء اور قس بن ساعدہ جیسے بلند پایہ خطیبوں کے یہاں ملتی ہے۔ اس وجہ سے جو شخص قرآن کی زبان کے ایجاز واعجاز کا اندازہ کرنا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دورِ جاہلیت کے ادباء وشعراء کے کلام کے محاسن ومعایب کے سمجھنے کا ذوق پیدا کرے۔ اس کے بغیر کوئی شخص نہ تو یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ قرآن عربی زبان کے محاسن کا کیا کامل نمونہ ہے اور نہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس کے اندر وہ کیا سحر ہے جس نے تمام فصیحوں اور بلیغوں کو ہمیشہ کے لیے عاجز اور درماندہ کر دیا ہے۔"[4]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے تفسیرِ قرآن جیسے نازک موضوع پر قلم اٹھانے سے

پہلے قرآن کی زبان اور اس کے ادبی محاسن سے آگاہی کے لیے ادب جاہلی کے اس تمام ذخیرے کو اچھی طرح پڑھ لیا تھا جو انھیں دستیاب ہو سکا تھا اور جو قرآن کی کسی ادبی، نحوی اور معنوی مشکل کے حل کے لیے کسی پہلو سے مددگار ہو سکتا ہے۔[۵]

مولانا اصلاحی نے اپنی تفسیر میں مختلف مقامات پر تفسیر آیات کے سلسلے میں اشعار عرب سے استدلال کیا ہے۔ یہ اشعار کہیں تو انھوں نے اپنے ذاتی مطالعہ سے پیش کیے ہیں اور کہیں اپنے استاذ گرامی مولانا فراہی کی تصانیف سے۔ تدبر قرآن میں استشہاد کے لیے جو اشعار استعمال ہوئے ہیں ان سب کو ایک ترتیب سے ہم یہاں افادۂ عام کے لیے نقل کرتے ہیں:

- **صبر** وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ: ۴۵)

لفظ "صبر" پر مولانا اصلاحی نے روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کا اصل مفہوم روکنا ہے یعنی خود کو مایوسیوں سے بچا کر اپنے موقف پر قائم رکھنے کو صبر کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام مشکلات کے باوجود اللہ کے عہد پر طمانیت قلب کے ساتھ قائم رہے۔ صبر کا مفہوم عام طور سے عجز و مسکنت سمجھا جاتا ہے جو لغت عرب اور استعمالات قرآن کی رو سے درست نہیں ہے۔[۶] اس مفہوم کی تائید کے لیے مولانا اصلاحی نے ان اشعار کو نقل کیا ہے جو امام استاذ فراہیؒ نے سورۂ عصر کی تفسیر میں نقل کیے ہیں۔[۷]

وغمرة موت ليس فيها هوادة   يكون صدور المشرفي جسورها

(اور موت کے بہاؤ یعنی جنگوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے، ان کے پل تو تلواروں کی دھار کے مانند ہیں)

صبرنا له في نهكها ومصابها   بأسيافنا حتى يبوخ سعيرها[۸]

(ہم نے جنگ کی انتہائی شدت و مصیبت میں اپنی تلواروں کے ساتھ ثابت قدمی دکھائی یہاں تک کہ اس کی شدت و حدت سرد پڑ گئی)

يا ابن الجحاجحة المدارِه   والصابرين على المكاره[۹]

(اے شریف سرداروں اور شدائد پر صبر کرنے والوں کی اولاد)

قودا الجياد واصهار الملوك وصبر   في مواطن لو كانوا بها سئموا

(اصیل گھوڑوں کی سواری، بادشاہوں کی دامادی اور ایسے مورچوں
میں ثابت قدمی جہاں دوسرے ہمت ہار بیٹھیں[۱۱]۔)
صبر کے اس مفہوم کی وضاحت خود قرآن نے بھی کر دی ہے۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ	اور ثابت قدمی دکھانے والے
وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ	سختی میں، تکلیف میں اور لڑائی
(البقرہ: ۱۷۷)	کے وقت۔

• 'ظن' الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ: ۴۶)
ظن اسے کہتے ہیں کہ کسی کے بارے میں بغیر دیکھے رائے قائم کر لی جائے، اس لیے اس میں یقین کا پہلو نہیں ہوتا ہے بلکہ شک کا پہلو غالب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ لفظ کبھی کبھی شک کا مفہوم دیتا ہے[۱۱]۔ طرفہ کے یہاں یہ مفہوم موجود ہے۔

واعلم علمًا ليس بالظن انه — اذا ذل مولى المرء فهو ذليل[۱۲]
(میں ایک بات جانتا ہوں جو محض گمان نہیں ہے کہ جب آدمی کا چچازاد بھائی
ذلیل ہو جائے تو وہ خود بھی ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے)
قرآن کریم میں بھی ظن کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے:

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ	ہم محض ایک گمان کر رہے ہیں اور ہم
بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (جاثیہ: ۳۲)	یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

کبھی کبھی انسان بن دیکھے کوئی رائے قائم کرتا ہے لیکن یہ رائے یقین پر مبنی ہوتی ہے اور اس کے لیے بھی ظن کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس کی تائید اوس بن حجر کے ایک شعر سے ہوتی ہے:

الالمعی الذی یظن بک الظن — کأن قد رأی وقد سمعا[۱۳]
(وہ ذہین کہ اگر تمہارے بارے میں کوئی گمان بھی کرے تو معلوم ہوتا ہے
دیکھ کر اور سن کر کرتا ہے۔)
درید بن صمہ کہتا ہے:

فقلت لهم ظنوا بألفى مدجج   سراتهم فى الفارسى المسرد[11]

(میں نے ان سے کہا کہ دو ہزار سلاح پوش سواروں کا یقین کرو جن کے سردار باریک کڑیوں کی زرہیں پہنے ہوں گے)

- **آل** : وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (البقرہ - ۴۹)

یہاں پر آلِ فرعون سے مراد قوم فرعون ہے۔ مولانا اصلاحی کا خیال ہے کہ آل سے مراد صرف کسی شخص کی اولاد نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ لفظ آل و اولاد، قوم و قبیلہ اور اتباع و انصار سب پر حاوی ہے۔ نابغہ زبیانی کا شعر ہے۔

من آل ميّة رائح او مغتدى   عجلان ذا زاد وغير مزوّد[16]

(میہ کے قبیلے کے لوگوں میں کوئی صبح روانہ ہوا، کوئی شام، کوئی زاد راہ کے ساتھ، کوئی بغیر زادِ راہ کے)

- **سجدہ** : وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (البقرہ: ۵۸)

سجدہ کے اصل معنی سر جھکانے کے ہیں۔ اس سر جھکانے کے مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ اس کی کامل شکل زمین پر پیشانی رکھ دینے کے ہیں جو ہم نماز میں اختیار کرتے ہیں۔[17] عمرو بن کلثوم نے اپنے مشہور فخریہ شعر میں اس کا یہی کامل مفہوم لیا ہے۔

اذا بلغ الفطام لنا صبى   تخرّله الجبابر ساجدينا[18]

(جب ہماری قوم کا کوئی بچہ دودھ چھوڑنے کی مدت کو پہنچ جاتا ہے تو بڑے بڑے سورما اس کے آگے سجدے میں گر جاتے ہیں)

- **صفح** : فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (البقرہ - ۱۰۹)

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں 'صفح' کے معنی چشم پوشی کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہیں کسی حماسی[19] کا شعر ہے :

صفحنا عن بنى ذهل   وقلنا القوم اخوان[20]

(ہم نے بنی ذہل کی شرارتوں سے چشم پوشی کی اور خیال کیا کہ یہ لوگ اپنے ہی بھائی ہیں۔)

- **امر** : "اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ"

(البقرہ: ۱۶۹)

آیت میں "یامر" کا لفظ ہے۔ 'امر' جس طرح کسی بات کا حکم دینے کے لیے آتا ہے اسی طرح اس کے معنی کوئی بات سمجھانے یا اس کا مشورہ دینے کے بھی ہیں۔ مثلاً :

امرتہم امری بمنعرج اللّوی فلم یستبینوا المرشد الاضحی الغد [۲۱]

(میں نے ان کو اپنے مشورے سے منعرج اللوی ہی میں آگاہ کر دیا تھا لیکن میری بات ان کی سمجھ میں دوسرے دن کی صبح سے پہلے نہ آسکی۔)

یا یہ شعر دیکھئے

اطعتِ لآمریک بصرم حبلی

(تو نے بالآخر انہی لوگوں کی بات سنی جو مجھے تجھ سے قطع تعلق کا مشورہ دینے والے تھے)

- **صوم** : یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (البقرہ: ۱۸۳)

لفظ "صوم" کے لغوی معنی کسی شئی سے رک جانے اور اس کو ترک کرنے کے ہیں۔ "صام الفرس صومًا" کے معنی ہیں گھوڑے نے چارہ نہیں کھایا۔[۲۲] اسی مفہوم کو نابغہ نے اپنے شعر میں اس طرح پیش کیا ہے :

خیل صیام وخیل غیر صائمۃ تحت اللجاج واخری تعلک اللجما [۲۳]

(بہت سے بھوکے اور بہت سے آسودہ گھوڑے میدان جنگ کے غبار میں کھڑے تھے اور دوسرے بہت سے اپنی لگامیں چبا رہے تھے)

مولانا فراہی نے اپنی تصنیف "اصول الشرائع" میں لفظ صوم کی تحقیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ "اہلِ عرب اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو بھوک اور پیاس کا عادی بنانے کے لیے باقاعدہ ان کی تربیت کرتے تھے تاکہ وہ مشکل حالات میں زیادہ سے زیادہ سختی برداشت کرسکیں۔ اسی طرح وہ اپنے گھوڑوں کو تند ہوا کے مقابلے کی بھی تربیت دیتے تھے۔ یہ چیز سفر اور جنگ کے حالات میں جبکہ ہوا کے تھپیڑوں سے سابقہ پیش آجائے، بڑی کام آنے والی ہے۔[۲۴] جریر نے اپنے ایک شعر میں ان دونوں باتوں کا حوالہ دیا ہے :

ظللنا بمستن الحرور کأننا لدی فرس مستقبل الریح صائمُ [۲۵]

(ہم لو کے تھپیڑوں کی جگہ جمے رہے۔ گویا ہم ایک ایسے گھوڑے کے ساتھ کھڑے ہوں جو بادِ تند کا مقابلہ کر رہا ہو اور روزہ رکھے ہوئے ہو۔)

• **تصدیق** : رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ (آل عمران :۸۱)

مولانا اصلاحی سورہ بقرہ کی آیت :۴۱ 'اٰمِنُوا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ' میں اس کے مفہوم پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں بھی انھوں نے بتایا ہے کہ قرآن کریم کے نزول اور بعثتِ نبوی سے تورات اور انجیل کی پیشین گوئی کی تصدیق ہو رہی ہے۔ اہل کتاب اس تصدیق کا انتظار کر رہے تھے لیکن افسوس کہ بعد میں وہ اپنی انا کی تسکین کے لیے تصدیقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مکر گئے۔ اگر وہ تصدیق کرتے تو اس سے اہلِ کتاب کا سر اونچا ہو جاتا۔[۲۷] تصدیق کا یہی مفہوم اس شعر میں پیش ہوا ہے۔

فدت نفسی وما ملکت یمینی   فوارس صدقت فیھم ظنونی

(میری جان اور میرا مال ان شہسواروں پر قربان جنھوں نے اپنے بارے میں میرے سارے گمان سچے ثابت کر دیے۔)

• **حبل** : وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (آل عمران :۱۰۳)

اس آیت میں "حبل" کے معنی رسی کے ہیں، اور اس کے تعلق سے اس میں ربط اور لگاؤ کا مفہوم پیدا ہوا۔ کیونکہ رسی ایک طرح سے ایک چیز کو دوسرے سے جوڑتی ہے۔[۲۸] اسی مفہوم کو اس شعر میں پیش کیا گیا ہے۔

ولکنی وصلت الحبل منه   مواصلة بحبل ابی بیان[۲۹]

(لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر)

آگے مولانا نے مزید یہ بتایا ہے کہ یہ لفظ ترقی کر کے معاہدہ کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:[۳۰] اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ (مگر اللہ کے اور لوگوں کے کسی معاہدے کے تحت)

• **جہالۃ** : اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ (النساء :۱۷)

مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ جہالت کے معنی صرف نہ جاننے کے ہی نہیں آتے بلکہ اس کا غالب استعمال جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت یا ظلم یا گناہ کا کام کر گزرنے کے ہیں۔ یہ لفظ عام طور پر علم کے بجائے حلم کے ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔[۳۱] اسی مفہوم میں

یہ شعر ہے:

ولَلحلمُ خیر فاعلمنّ مغبّۃً   من الجہل الا ان تشمس من ظلم [۳۲]

(اور یقیناً حلم جہالت کے مقابلے میں انجام کے لحاظ سے کہیں بہتر ہے ہوائے اس وقت جب کہ تمہیں ظلم وتشدد کا سامنا کرنا پڑے)

یہی چیز یہاں ملحوظ رکھی گئی ہے۔

الا لا یجہلن احدٌ علینا   فنجہل فوق جہل الجاھلینا [۳۳]

(آگاہ کہ کوئی ہمارے خلاف جہالت کا اظہار کرے کہ ہم بھی تمام جاہلوں سے بڑھ کر جہالت کرنے پر مجبور ہو جائیں)

• **ذلیل اور عزیز:** اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ (المائدہ: ۵۴)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا نے بتایا ہے کہ اذلۃ ذلیل کی جمع ہے اور یہاں اس کے معنی نرم خو اور متواضع کے ہیں۔ اسی طرح اَعزۃ عزیز کی جمع ہے اور اذلہ کے مقابل ہے اور اس کا مفہوم سخت اور بھاری ہے۔ عربی میں "وھو عزیز علی" آتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چیز مجھ پر گراں ہے یعنی شدید علیّ [۳۴] یہی چیز اس شعر میں بھی ہے۔

إذا المرءُ اعیتہ المروۃ ناشئاً   فمطلبہا کہلا علیہ شدید [۳۵]

(اگر اٹھتی جوانی میں اولوالعزمی پیدا کرنے سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے تو ادھیڑپن میں اس کا حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے)

• **قلیل** "اِذْ یُرِیْکَہُمُ اللّٰہُ فِیْ مَنَامِکَ قَلِیْلاً" (انفال-۴۳)

لفظ قلیل پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ عربی میں لفظ قلیل صرف عددی اور مقداری اعتبار ہی سے قلیل کے لیے نہیں آتا، بلکہ معنوی اعتبار سے بے وزن وبے حقیقت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے [۳۶] مثلاً یہ شعر دیکھئے۔

فانْ اکُ فی شرارکم قلیلا   فانّی فی خیارکم کثیر [۳۷]

(اگر میں تمہارے اشرار کی نگاہوں میں کم رتبہ ہوں تو کچھ غم نہیں، تمہارے اخیار کی نگاہوں میں میرا بڑا رتبہ ہے)

• **علیکم اھل البیت:** رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت (ہود: ۷۳)

اس آیت میں علیکم ضمیر مذکر جمع کا استعمال عربی زبان کے شائستہ اندازِ تخاطب

کی مثال ہے، عورتوں کے اس اندازِ تخاطب میں پردہ داری اوراحترام کی جو مثال ہے وہ محتاجِ اظہار نہیں۔ قرآن مجید اور کلام عرب میں اس کی نہایت واضح اور لطیف مثالیں موجود ہیں[۴۱] سورہ احزاب میں ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ	اللہ چاہتا ہے کہ تم سے دور کرے
الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ	ناپاکی کو اے اہلِ بیتِ نبی اور تم کو پاک
یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (احزاب:۳۳)	کرے اچھی طرح۔

امرءالقیس کے شعر میں بھی یہی چیز ملحوظ رکھی گئی ہے۔

فلوکان اھل الدار فیھا کعھدنا　　وجدت مقیلا عندھم ومعرّسا

(جبکہ وادیٔ عسعس میں لوگ ہمارے عہد کی طرح ہیں، میں نے ان کے پاس قیلولہ کیا اور رات کے ابتدائی حصہ میں آرام کیا۔)

- **جبال:** وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُھَا رَبِّیْ نَسْفًا فَیَذَرُھَا قَاعًا صَفْصَفًا لَاتَرٰی فِیْھَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا (طٰہٰ: ۱۰۵-۱۰۶)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ روزِ قیامت یہ اونچے اونچے پہاڑ تباہ و برباد ہو جائیں گے، اپنی تمام تر بلندیوں اور اونچائیوں کے باوجود قیامت کے روز یہی پہاڑ روئی کے مانند ہوا میں اڑیں گے۔ پہاڑوں کے باب میں عرب شعراء کا یہ خیال تھا کہ وہ غیر فانی ہیں[۴۲] قرآن نے اسی تصور کو ہدفِ تنقید بنایا ہے: زہیر کا خیال دیکھئے:

الالا اریٰ علی الحوادث باقیا　　ولاخالدا الا الجبال الرواسیا

(حوادثِ روزگار کے مقابل میں ان مستحکم پہاڑوں کے سوا میں اور کسی چیز کو بھی قائم و دائم رہنے والی خیال نہیں کرتا)

- **حرف لام کا ایک استعمال:** لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ (النور: ۳۸)

اس آیت میں "لیجزیھم" فعل ہے۔ اس کے متعلق مولانا کا خیال ہے کہ یہ اصلاً لام علت نہیں بلکہ وہ لام ہے جو کسی فعل کے انجام، نتیجہ اور ثمرہ کے بیان کے لیے آتا ہے[۴۳] مثلاً قرآن کریم میں ایک جگہ آیا ہے۔

فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (قصص: ۸)
اور فرعون کے گھر والوں نے اس کو اٹھا لیا کہ وہ ان کے لیے دشمن اور غم بنے

امرأ القیس کا مشہور شعر ہے:

وما ذرفت عيناك الا لتضربي ... بسهميك في أعشار قلب مقتل

(اور تمہاری دونوں آنکھوں نے آنسو نہیں بہائے مگر اس لیے کہ اپنے دونوں تیر پارہ پارہ ہوئے دل کے ٹکڑوں میں پیوست کر دیں)

یہاں پر بھی جو "لتضربی" پر لام ہے وہ نتیجۂ فعل ہی کے طور پر ہے۔

- **جلابیب**: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (الاحزاب: ۵۹)

اس آیت میں مسلم عورتوں کو جس جلباب کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں کہ یہ چیز شرفائے عرب کی خواتین کے یہاں بھی پائی جاتی ہے وہ اس وقت اسے اپنے اوپر ڈال لیتی تھیں جب گھروں سے باہر نکلتی تھیں[۱۲] قبیلۂ ہذیل کی ایک شاعرہ کا شعر ہے:

تمشي النسور اليه وهي لاهية ... مشي العذارى عليهن الجلابيب

(بلی اس کی طرف اسی بے فکری سے بڑھ رہی تھی جس طرح چادر اوڑھے دوشیزائیں چلتی ہیں۔)

- **حبك**: "وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ" (الذاریات: ۷)

اس آیت میں "ذات الحبك" السماء کی صفت ہے، مولانا اصلاحی فرماتے ہیں کہ یہ صفت تحقیق طلب ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ مولانا فراہی نے تفسیر سورہ ذاریات میں اس پر عمدہ بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ "حَبَكٌ" کے معنی باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں، یہیں سے یہ اس مضبوطی اور استواری کے لیے استعمال ہوا جو کسی چیز کی بناوٹ میں پیدا کی جائے، اسی سے حباك ہے جس کی جمع حُبُكٌ ہے۔ حبک ان دھاریوں اور شکنوں نیز لہروں کو کہتے ہیں جو کسی گف اور مضبوط بناوٹ کے کپڑے میں نمایاں کی گئی ہوں۔ فرّاء کی تحقیق یہ ہے کہ حبک سے مراد وہ لہریں اور شکنیں ہیں جو ریت یا ساکن پانی میں، جب کہ اس پر ہوا

چل گئی ہو، پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہیں سے یہ بادلوں کی تعریف میں استعمال ہونے لگا کیونکہ بادلوں کے ٹکڑے بھی آسمان میں تہ بہ تہ موجود ہوتے ہیں اور تو برتو روئی کے گالوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ امرأ القیس فلک بوس محلوں کی تعریف کرتے ہوئے جن پر بادل چھائے ہوئے ہیں کہتا ہے[۴۶]۔

مکللۃ حمراء ذات اسرۃ　　لھا حبک کأنھا من وصائل[۴۷]

(محلات کے سروں) پر سرخ اور دھاری دار بادل چھائے ہوئے ہیں اور وہ اپنی شکل و صورت میں دھاری دار چادر کے مشابہ ہیں)

- **انتصار** : فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوا مُنْتَصِرِيْنَ (الذاریات: ۴۵)

اس آیت میں "انتصار" کے معنی مدافعت کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کے عذاب اور قہر سے اپنا بچاؤ نہ کر سکے[۴۸]۔ اسی مفہوم کو امرأ القیس نے اپنے شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

فانشب أظفارہ فی النسا　　فقلت ھبلت الا تنتصر[۴۹]

(کتے نے اس نیل گائے کی ران میں اپنے پنجے گاڑ دیے۔ تب میں نے اس سے کہا۔ کم بخت اب تو اپنا بچاؤ کر)

- **شعریٰ** : وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم-۴۹)

اس آیت کی تشریح میں مولانا لکھتے ہیں کہ "شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جو موسم بہار میں طلوع ہوتا ہے، مشرکین عرب اس کو بہت مبارک سمجھتے تھے اور بہار کی تمام شادابیاں اور تمام تجارتی سرگرمیاں اسی سے منسوب کرتے تھے[۵۰]۔ ایک جاہلی شاعر اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے۔

شامس فی القرحتی اذا ما　　ذکت الشعریٰ مبترد وظل[۵۱]

(وہ سردیوں کی ٹھنڈ میں لوگوں کو گرمی پہنچانے والا ہے اور جب شعریٰ طلوع ہوتا ہے (یعنی موسم بہار میں) تو وہ لوگوں کے لیے ٹھنڈک اور سایہ بن جاتا ہے)۔

- **صغت قلوبکما** : اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحریم: ۴)

اس آیت کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی نے ان الفاظ میں کیا ہے "اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے لیے زیبا ہے۔ تمہارے دل تو

خدا کی طرف مائل ہی ہیں"۔ بعض مفسرین نے "صغت" کے معنی کج ہونے کے بتائے ہیں، جو درست نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مولانا نے تفصیلی بحث کی ہے[۵۲] لیکن یہاں صرف وہ اشعار نقل کیے جا رہے ہیں جو مولانا فراہی نے اپنی تفسیر سورۂ تحریم میں لسان العرب سے[۵۳] لیے ہیں۔ مولانا فراہیؒ "صغت" کے باب میں فرماتے ہیں" لفظ کی اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ "صغت قلوبکما" کے معنی انابت قلوبکما و مالت الی اللہ ورسولہ (یعنی تم دونوں کے دل اللہ اور رسول کی طرف جھکے ہیں) کے ہوں گے۔ کیونکہ لفظ "صغو" کسی شی کی طرف جھکنے کے لیے آتا ہے۔ اس سے مڑنے اور ہٹنے کے لیے نہیں آتا۔

اس مفہوم کی تائید میں مولانا فراہی نے دو حدیثیں بھی پیش کی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے " ینفخ فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی الیہ" (صور پھونکا جائے گا تو ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا) دوسری حدیث میں ہے "کان یصغی لہا الإناء" اس کے لیے برتن جھکا دیتے کہ وہ آسانی سے پانی پی لے) پھر اصغاد کے معنی کی مزید وضاحت کے لیے مولانا فراہی نے اشعار بھی نقل کیے ہیں[۵۴]۔

ابن بری نے اصغاء سمع (کسی کی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے۔

تری السفیہ بہ عن کل مکرمۃ زیغ و فیہ للسفیہ اصغاء[۵۵]

(بے وقوف عزت وشرف کی باتوں سے منہ موڑتا ہے اور سفاہت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے۔)

شاعر اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے:

تصغی اذا شدّھا بالکور جانحۃ حتی اذا ما استوی فی غرزھا تثب[۵۶]

(جب وہ اس پر کجاوا کستا ہے، وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے اور جب وہ رکاب میں پاؤں رکھ دیتا ہے، وہ جھپٹ پڑتی ہے)

اعشی اپنی کتیا کی آنکھوں کا ذکر یوں کرتا ہے۔

تری عینہا صغواء فی جنب موقہا تراقب کفّی والقطیع المحرّما[۵۷]

(اس کی آنکھ گوشۂ چشم کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور وہ میرے ہاتھ اور سخت کوڑے کو دیکھتی ہے)

- **کشف ساق** : یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ (القلم : ۴۲)

اس آیت میں کشفِ ساق شدتِ امر کی تعبیر کے لیے، عربی زبان کا معروف محاورہ ہے، شعرائے جاہلیت نے مختلف طریقوں سے اس کو استعمال کیا ہے[۵۸]۔ حاتم کا مشہور شعر ہے۔

اخو الحرب ان عضت بہ الحرب عضہا   وان شمرت عن ساقہا الحرب شمرا[۵۹]

(اگر جنگ اس پر حملہ آور ہوتی ہے تو وہ بھی اس سے نبرد آزما ہوتا ہے اور اگر گھمسان کا رن پڑتا ہے تو وہ بھی اس میں بے خطر کود پڑتا ہے)

مذکورہ شعر میں "شمرت عن ساقہا الحرب" کا محاورہ گھمسان کے رن کے لیے آیا ہے۔ یہ محاورہ اس لیے وجود میں آیا کہ جب کوئی بڑی مصیبت آن پڑتی ہے تو اس وقت کنواریاں اور شریف زادیاں بھی اپنے پائنچے اٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ جس سے ان کی پنڈلیاں اور پاؤں کے زیورات کھل جاتے ہیں۔ ایک شاعر نے اس کی تصویر کشی اس انداز سے کی ہے۔

تذھل الشیخ عن بنیہ   وتبدی عن خدام العقیلۃ العذراء[۶۰]

(ایسی ہلچل جو بوڑھوں کو ان کی اولاد سے غافل کر دے گی اور کنواریوں کی پنڈلیوں اور ان کے پازیبوں کو بے نقاب کر دے گی)

- **تطہیر ثیاب** : وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ (المدثر : ۴)

مولانا نے لکھا ہے کہ ثیاب کے معنی کپڑے کے ہیں لیکن اس کا استعمال دامن کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اور کلام عرب کے شواہد سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ اس سے دامنِ دل بھی مراد ہوتا ہے[۶۱] امرء القیس نے اپنے شعر میں اسی مفہوم کو برتا ہے۔

وان تک قد ساءتک منی خلیقۃ   فسلی ثیابی من ثیابک تنسل[۶۲]

(اگر میری کوئی حرکت تجھے بری ہی لگی ہے تو میرے دامنِ دل کو اپنے دامنِ دل سے جدا کر دے تو جدا ہو جائے گی)

مذکورہ شعر میں شارحین نے "ثیاب" سے دل ہی مراد لیا ہے۔ امرءالقیس ہی کا ایک دوسرا مصرعہ ہے۔

ثیاب بنی عوف طہارىٰ نقیۃٌ

(بنی عوف کے دل بالکل پاک صاف ہیں)[۶۳]

- **اولیٰ** : اولیٰ لک فاولیٰ ثم اولیٰ لک فاولیٰ (القیامۃ: ۳۵)

اس آیت میں "اولیٰ" زجر، اظہارِ حسرت وملامت اور اظہارِ تعزیت وغضب کے لیے آیا ہے۔ کلامِ عرب میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں[۶۴]۔ خنساء کا مشہور شعر ہے۔

ھممت بنفسی کل الھموم   فاولیٰ لنفسی اولیٰ لھا[۶۵]

(میں نے اپنے نفس کے بارے میں طرح طرح کے ارادے کر ڈالے،

پس افسوس ہے میرے نفس پر افسوس ہے)

- **ھل** : ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (الدھر: ۱)

یہاں بعض مفسرین نے 'ھل' کو 'قد' کے معنی میں لیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے کلامِ عرب سے اس کی کوئی تائید نہیں ملی۔ یہاں پر 'ھل' استفہام کے مفہوم میں ہے۔ استفہام چونکہ متعدد معانی کے لیے آتا ہے۔ انہی میں سے ایک مفہوم یہ ہے کہ مخاطب جب کسی بدیہی حقیقت کو تسلیم نہ کرے تو ایسے موقع پر بھی ھل کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں پر اسی مفہوم میں ہے[۶۶] معلقات کے ایک قصیدے کا مطلع ہے۔

ھل غادر الشعراء من متردّم   ام ھل عرفت الدار بعد توھم[۶۷]

(کیا شاعروں نے شاعری میں کوئی خلا چھوڑ دیا تھا یا تجسس کے بعد تم نے منزلِ جاناں کا سراغ پا لیا ہے)

- **عُرْف** : "وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا" (مرسلات: ۱)

اس آیت میں لفظ "عُرْف" گھوڑے کے ایال کے لیے آیا ہے جو پیشانی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ امرءالقیس نے اسی معنی میں لیا ہے۔

نمش باعراف الجیاد اکفنا   اذا نحن قمنا عن شواءٍ مضھّب

(جب ہم شکار کا کچا پکا گوشت کھا کر اٹھتے ہیں تو گھوڑوں کی ایال میں اپنے ہاتھ

پونچھ لیتے ہیں)

یہاں آیت میں اسی سے ہواؤں کو گھوڑوں سے اور ان کے آزاد کرنے کو ان کے ایال چھوڑ دینے سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ تعبیر نہایت بلیغ ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہوائیں نہ خود کار ہیں نہ خود مختار، بلکہ ان کی پیشانی خدا کی مٹھی میں ہے۔

- **غثاء احوی**: "فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی" (الاعلیٰ: ۵)

اس آیت میں بالعموم مفسرین نے غثاءً احوی کا ترجمہ "کالا کوڑا یا سیاہ خس و خاشاک"، کیا ہے۔ صرف غثاء کے معنی جھاگ اور خس و خاشاک کے تو آتے ہیں لیکن احوی ہرگز اس سیاہی کے لیے نہیں آتا جو کسی شی میں بوسیدگی سے پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے آتا ہے جو تازگی اور جوشِ نمو کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہیں سے یہ بطورِ استعارہ کڑیل اور صحت مند جوان کے لیے استعمال ہونے لگا۔[۵۳] مشہور جاہلی شاعر تابط شرا اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے

مسبل فی الحی احوی رفل   واذا یغزو فلیث ابل[۵۴]

(یوں قبیلہ کے اندر تو وہ ایک خوش پوش، سرخ و سپید بانکا چھبیلا بنا رہتا ہے لیکن جب میدانِ جنگ میں اترتا ہے تو شیر نیستاں بن جاتا ہے)

لفظ غثاء کے معنی مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس و خاشاک کے ہیں، لیکن یہ اس سبزہ کے لیے بھی آتا ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔[۵۵] مولانا فراہی نے اپنی کتاب "مفردات القرآن" میں کلامِ عرب سے متعدد اشعار نقل کیے ہیں[۵۶] انہی میں سے مولانا اصلاحی نے تدبر میں قطامی کے ایک شعر پر اکتفا کیا ہے:

حلوا ابا خضر فقد مالت سوارته   من ذی غثاء علی الاعراض اضاد[۵۷]

(وہ ایک سرسبز و شاداب وادی میں اترے جس کے بیچ گھنے اور شاداب سبزے اس کے کناروں پر باہم دگر گتھم گتھا ہیں اور ایک دوسرے پر تہ بہ تہ گرے ہوئے تھے)

- **التین**: "وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ" (التین: ۱-۲)

یہاں "تین" سے مراد ایک خاص پہاڑ ہے۔[۵۲] چونکہ اس مقام پر تین (انجیر) کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، اس لیے اسے اسی نام سے منسوب کر دیا۔[۵۳] نابغہ زبیانی نے اپنے اشعار میں تین کا ایک مقام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

صهب الظلال اتین التین عن عرض یزجین غیما قلیلا ماؤہ شبما

(سرد ہوائیں جبل تین کے دامن سے آئی ہیں اور تھوڑے سے بادل کو ہنکا کر لے آئی ہیں جس کا پانی بہت میٹھا ہے۔)

اس میں تین سے مراد ایک شمالی پہاڑ ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ پہاڑ حلوان اور ہمدان کے درمیان واقع ہے۔

- **سورہ عادیات میں گھوڑوں کا ذکر**

سورہ العادیات میں گھوڑوں کی اہمیت اور ان کی متعدد صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا اصلاحی کا خیال یہ ہے کہ گھوڑے عربوں کے یہاں بڑی اہمیت کے حامل تھے کیونکہ جنگوں میں دفاع کے کام آتے، انہی سے اپنے قبیلہ اور اپنی قوم کی حفاظت کرتے، گھوڑے ان کی عزت و آبرو کی ضمانت ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری کا بیشتر حصہ گھوڑوں کی صفات کی نذر ہے۔[۵۴] ایک حماسی شاعر کہتا ہے۔

وفی فرس نهد عتیق جعلته حجابا لبیتی ثم اخدمته عبداً[۵۵]

(اور میں اپنا مال ایک جوان اور اصیل گھوڑے کے لیے خرچ کرتا ہوں جس کو میں نے اپنے گھر کا پاسبان بنایا ہے اور پھر میں نے اس کی خدمت کے لیے ایک غلام کو رکھ چھوڑا ہے)

- **حتی زرتم المقابر**

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التکاثر:۲) یعنی یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچتے ہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہاں "زرتم" اپنے سادہ معنی یعنی دیکھنے کے ہیں۔ اس میں کسی شرف اور تقدس کا شائبہ نہیں ہے۔[۵۶] ایک حماسی شاعر کا شعر ہے۔

اذا زرت ارضاً بعد طویل اجتنابها فقدت صدیقی والبلاد کما هی

(جب میں کسی سرزمین کو عرصہ تک جدا رہنے کے بعد دیکھتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ

اجناً توموں نے سارے کھود دیے۔ لیکن زمین اسی طرح ہے جس طرح تھی)

- **والعصر:**

"العصر" کے معنی زمانہ کے ہیں۔ مولانا اصلاحی نے "تدبر" میں مولانا فراہیؒ کے خیالات العصر کے سلسلے میں نقل کیے ہیں۔ مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں" عصر کے معنی زمانہ کے ہیں۔ جس طرح لفظ "دہر" میں زمانہ کی مجموعیت کا اعتبار ہے، اسی طرح لفظ "عصر" میں اس کے گزرنے اور اس کی تیز روی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اس کا غالب استعمال گزرے ہوئے زمانہ ہی پر ہوتا ہے[۸۷] امرء القیس کا مصرعہ ہے۔

وهل ينعمن من كان في العصر الخالي

(اور اب ان کے لیے کیا مبارکی ہے جو گزرے ہوئے زمانوں میں ہوئے)

عبید بن الابرص نے کہا ہے۔

فذالك عصر وقد ارانی　　یحملنی بازل شبوب

(وہ بھی زمانہ تھا جب میں اپنے کو دیکھتا کہ ایک جوان اور خوبصورت اونٹنی پر سوار ہوں)

سورۂ عصر کی تیسری آیت "وَتَوَاصَوا بِالصَّبْرِ" کے ذیل میں مولانا نے لفظ "صبر" کی تشریح کرتے ہوئے بعض اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ ان اشعار کو مولانا سورہ البقرہ آیت ۴۵ کی تشریح میں نقل کر چکے ہیں۔

- **سورۂ فیل:**

سورہ فیل میں خانۂ کعبہ پر ابرہہ کی چڑھائی کا ذکر ہوا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی فوجوں کو پسپا کر کے رکھ دیا ہے۔ مولانا فراہی کا خیال ہے کہ فوجوں کی پسپائی تین طریقوں سے ہوئی۔ آخری طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کے دشمنوں پر سنگ باری کرنے والی ہوا (حاصب) بھیجی جس نے ان کو بالکل پامال کر دیا۔ مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں کہ بعض عینی شاہدین نے اس "حاصب" کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام وغیرہ نے اپنی کتب میں ان شہادتوں کو نقل کیا ہے[۸۸] یہاں صرف دو شعر نقل کیے جا رہے ہیں شاعر ابو قیس کہتا ہے:

فارسل من ربهم حاصب　　یلفهم مثل لف القزم[۸۹]

(پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر حاصب (سنگ ریزے برسانے والی آندھی) چلی جو خس و خاشاک کی طرح ان کو لپیٹ لیتی ہے)

اسی طرح صیفی بن عامر نے بھی ساف اور حاصب کا ذکر کیا ہے۔

فلما اجازوا بطن نعمان ردّهم جنودٌ الا له بین ساف وحاصب[٩٠]

(اور جب انھوں نے وادیٔ نعمان کو پار کیا تو اللہ کی فوجوں نے ساف اور حاصب کے درمیان نمودار ہو کر انھیں تہس نہس کر ڈالا)

آگے سورۂ فیل کی تفسیر میں مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب نے جبل حرا پر چڑھ کر ربِ کعبہ سے جو استغاثہ کیا اس سے یہ بات نہیں نکلتی کہ وہ بیت اللہ کی مدافعت سے بالکل دست بردار ہو کر اور سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے خود الگ ہو رہے ہیں۔ بلکہ اس میں انھوں نے بعض فقرے تو ایسے کہے ہیں جن کے اندر ناز اور اعتماد کی وہ شان پائی جاتی ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا میں ہے جو آپ نے غزوۂ بدر کے موقع پر عین میدانِ جنگ میں کی تھی۔ درج ذیل اشعار سے عبدالمطلب کے جذبہ اور اعتماد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے[٩١]۔

اللھم ان المرء یمنع اھلہ فامنع رحالک

(اے خدا! آدمی اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے لوگوں کی حفاظت کر)

لا یغلبنّ صلیبھم ومحالھم ابداً محالک

(ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر ہرگز غالب نہ ہوتے پائے)

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر ما بدا لک

(اگر تو ہمارے قبلہ کو ان کے رحم و کرم چھوڑنا چاہتا ہے تو کر جو تیری مرضی)

- **تبّت یدا:**

سورہ لہب کی ابتدائی آیات یہ ہیں "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ"، یہاں تبّ کا کیا مفہوم ہے؟ مولانا کا خیال ہے کہ اس کا مفہوم ہلاک ہونے اور خسارہ میں پڑنے کے ہیں۔ اسی سے "تبت یدا فلان" کا محاورہ وجود میں آیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں کے دونوں ہاتھ حصولِ مقصد میں ناکام و عاجز ہیں۔ اس سے بے بسی

کی تصویر ابھرتی ہے ۔ اسی طرح "کسر ید" (ہاتھ پاؤں توڑدینا) کسی کا زور توڑ دینے کی تعبیر ہے [۹۲] فند الزمانی کا شعر ہے ۔

وترکنا دیار تغلب قفرًا وکسرنا من الغواة الجناحا [۹۳]

(اور ہم نے دیار تغلب کو بیابان بنا کر چھوڑ دیا اور سرکشوں کے بازو توڑ ڈالے)

مذکورہ مباحث کی روشنی میں یہ چیز وضاحت سے سامنے آرہی ہے کہ تفسیر قرآن کے لیے کلام عرب سے استشہاد اور استدلال ایک بنیادی ضرورت ہے، بیسویں صدی کے مفسرین میں مولانا فراہی نے اس پہلو کو شدت سے محسوس کیا اور اپنی نامکمل تفسیر نظام القرآن اور علوم قرآن سے متعلق اپنی دیگر کتب میں اس کی طرف توجہ کی اور اس سے فائدہ اٹھایا ۔ قرآن کریم کی تفہیم وتشریح اور معانی کی تعیین کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ عرب پر بھی گہری نظر ہو ۔ دور جاہلی کی شاعری عربوں کی تاریخ کی بہترین نمائندگی کرتی ہے ۔ اس میں ان کی ثقافت، معاشرت اور معیشت اور شب وروز کی زندگی کی بڑی واضح شکل وصورت موجود ہے نیز ان کی ترجیحات و معیارات تک رسائی کے لیے اس شاعری کا مطالعہ حد درجہ ممد ومعاون ہوگا ۔ اسی بنا پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور بیشتر مفسرین نے تفسیر قرآن کے باب میں دور جاہلی کی شاعری کے بنیادی کردار کا اعتراف کیا ہے، اس رخ کی طرف مولانا فراہی اور ان کے تلمیذ رشید صاحب 'تدبر قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی نے خاص توجہ دی ہے اور قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں ۔ ویسے جس معیار سے مولانا فراہیؒ نے اشعار عرب سے استدلال کا بیڑا اٹھایا تھا، وہ معیار پوری طرح مولانا اصلاحی کی تفسیر میں باقی نہیں رہا ۔ لیکن مولانا فراہیؒ کے اس انداز فکر سے مولانا اصلاحی نے ایک حد تک استفادہ بھی کیا اور اس کی جابجا اپنی تفسیر میں پرزور وکالت بھی کی، اس کے لیے فکر فراہی کے حاملین کو مولانا امین احسن اصلاحی کا شکر گزار ہونا چاہیے ۔ ان کی ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اس انداز کو آگے بڑھائیں ۔

حواشی ومراجع

لہ الاتقان فی علوم القرآن (اردو) جلال الدین سیوطی ۔ (مترجم ۔ محمد حلیم انصاری ومعراج محمد بارق) ۶۵

نور محمد۔ اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی (بدون تاریخ) ۳۵۵/۱

۲؎ ایضاً ۳۵۵/۱ ۳؎ ایضاً ۳۵۵/۱

۴؎ تدبر قرآن۔ امین احسن اصلاحی۔ تاج کمپنی۔ دہلی۔ بار اول ۱۹۸۹ء ۱۵/۱

۵؎ ایضاً۔ ۱۵/۱ ۶؎ تدبر قرآن۔ ۱۸۷/۱

۷؎ تفسیر نظام القرآن۔ علامہ حمید الدین فراہی۔ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء ص ۳۴۵

۸؎ دیوان حاتم طائی۔ (تحقیق و شرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر، بیروت (بدون تاریخ) ص ۹۲

۹؎ تفسیر نظام القرآن۔ ص ۳۴۵

۱۰؎ دیوان زہیر بن ابی سلمیٰ (تحقیق و شرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر۔ بیروت (بدون تاریخ) ص ۱۳۴

۱۱؎ تدبر قرآن۔ ۱۹۳/۱

۱۲؎ دیوان طرفۃ بن العبد (تحقیق و شرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر۔ بیروت ۱۹۵۳ء۔ ص ۱۱۴

۱۳؎ دیوان اوس بن حجر (تحقیق و شرح: الدکتور محمد یوسف نجم) دار صادر، دار بیروت۔ بیروت ۱۹۶۰ء۔ ص ۵۳

۱۴؎ جمہرۃ اشعار العرب۔ ابو زید محمد بن ابی الخطاب القرشی۔ دار صادر و دار بیروت ۱۹۶۳ء ص ۲۱۱

۱۵؎ تدبر قرآن۔ ۲۱۰/۱

۱۶؎ دیوان النابغۃ الذبیانی (وعلیہ شرح لطیف مختصر من شرح العلامۃ امام اللغۃ والادب ابو بکر عاصم بن ایوب البطلیوسی) المکتبۃ الاہلیہ۔ بیروت (بدون تاریخ) ص ۲۷

۱۷؎ تدبر قرآن۔ ۲۱۹/۱ ۱۸؎ جمہرۃ اشعار العرب۔ ص ۱۴۸

۱۹؎ تدبر قرآن۔ ۲۹۹/۱

۲۰؎ دیوان الحماسہ۔ المکتبۃ الرحیمیہ، دیوبند، یوپی (بدون تاریخ) ص ۱۱

۲۱؎ جمہرۃ اشعار العرب۔ ۲۱۱ ۲۲؎ تدبر قرآن۔ ۴۴۴/۱

۲۳؎ دیوان النابغۃ الذبیانی۔ (صححہ وحل غریب الفاظہ: الاستاذ الشیخ عبد الرحمان سلام) مطبعۃ المصباح۔ بیروت ۱۹۲۹ء ص ۹۵ ۲۴؎ تدبر قرآن ۴۴۴/۱-۴۴۵

۲۵؎ دیوان جریر۔ دار صادر، دار بیروت، بیروت ۱۹۶۰ء۔ ص ۴۵۴

۲۶؎ تدبر قرآن۔ امین احسن اصلاحی۔ تاج کمپنی۔ دہلی۔ بار اول ۱۹۸۹ء ۱۳۵/۲

٢٧ھ دیوان الحماسہ ۔ص ١١ ٢٨ھ تدبر قرآن ۔ ١٥٣/٢
٢٩ھ دیوان الحماسہ ۔ص ١٩٥ ٣٠ھ تدبر قرآن ۔ ١٥٣/٢
٣١ھ ایضًا ۔ ٢٦٦/٢ ٣٢ھ دیوان الحماسہ: ص ١٩٢
٣٣ھ شرح المعلقات السبع ۔ ابو عبداللہ الحسین بن احمد الزوزنی ۔ الطبعۃ الثانیہ ۔ دار الکتب المصریہ ١٩٥٠ء ۔ص ١٣٦ ٣٤ھ تدبر قرآن ۔ ٥٤٦/٢
٣٥ھ دیوان الحماسہ ۔ص ١٩٨
٣٦ھ تدبر قرآن ۔ مولانا امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی ۔ دہلی ۔ باراول ١٩٨٩ء ۔ ٤٨٥/٣
٣٧ھ دیوان الحماسہ، ص ١٩٩
٣٨ھ تدبر قرآن ۔ امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی ۔ دہلی ۔ باراول ١٩٨٩ء ۔ ١٥٦/٤
٣٩ھ دیوان امرء القیس (تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم) دار المعارف، مصر ١٩٥٧ء ۔ص ١٠٥
٤٠ھ تدبر قرآن ۔ امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی ۔ دہلی باراول ١٩٨٩ء ۔ ٩٢/٥
٤١ھ دیوان زہیر بن ابی سلمی (تحقیق و شرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر، بیروت (بدون تاریخ) ص ١٥
٤٢ھ تدبر قرآن ٤١٣/٥ ٤٣ھ دیوان امرء القیس ص ١٣
٤٤ھ تدبر قرآن ۔ امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی ۔ دہلی ۔ باراول ١٩٨٩ء ۔ ٢٦٩/٦
٤٥ھ ایضًا ۔ ٢٦٩/٦ ٤٦ھ وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر نظام القرآن ۔ص ٩٩
٤٧ھ دیوان امرء القیس ۔ص ٤٨
٤٨ھ تدبر قرآن ۔ امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی ۔ دہلی ۔ باراول ١٩٨٩ء ٦١٨/٧
٤٩ھ دیوان امرء القیس ١٦١ ٥٠ھ تدبر قرآن ۔ مولانا امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی دہلی، باراول ١٩٨٩ء ۔ ٨٠/٨ ٥١ھ ایضًا ۔ ٨٠/٨
٥٢ھ تدبر قرآن ۔ امین احسن اصلاحی ۔ تاج کمپنی ۔ دہلی ۔ باراول ١٩٨٩ء ٤٦٤/٨ ۔ ٤٦٥
٥٣ھ وضاحت کے لیے دیکھئے لسان العرب ۔ ابن منظور ۔ دار صادر، دار بیروت، بیروت ١٩٥٦ء ٤٦١/١٤ ۔ ٤٦٣
٥٤ھ وضاحت کے لیے دیکھئے: تفسیر نظام القرآن ص ١٤٦ ۔ ١٤٨
٥٥ھ ایضًا ۔ص ١٤٦ ٥٦ھ جمہرۃ اشعار العرب ۔ ص ٣٤١
٥٧ھ دیوان شعر الاعشیٰ (مع شرح ابی العباس ثعلب) Messrs Luzac & Co., 46 Great Russell Street, London. W.C. 1928, P 102

۵۸ تدبر قرآن - ۸/۵۲۷ ۵۹ خمسۃ دواوین العرب (دیوان حاتم طائی) المکتبۃ الاہلیہ - بیروت - ص ۱۱ ۶۰ تدبر قرآن - ۸/۵۲۸

۶۱ تدبر قرآن - امین احسن اصلاحی - تاج کمپنی - دہلی - بار اول - ۱۹۸۹ء ۹/۴۴

۶۲ دیوان امرالقیس ص ۱۳ ۶۳ ایضاً ص ۸۳ ۶۴ تدبر قرآن - ۹/۹۵

۶۵ شعر الخنساء (تحقیق وشرح: کرم البستانی) مکتبہ صادر، بیروت ۱۹۵۱ء ص ۱۷۱

۶۶ تدبر قرآن - ۹/۱۰۵ ۶۷ شرح المعلقات السبع (تالیف ابی عبداللہ الحسین بن احمد الزوزنی) الطبعۃ الثانیہ - دار الکتب المصریہ ۱۹۵۰ء - ص ۱۴۶

۶۸ دیوان امرالقیس ص ۵۴ ۶۹ تدبر قرآن - ۹/۱۳۱ ۷۰ ایضاً - ۹/۳۱۵

۷۱ دیوان الحماسۃ ص ۱۴۱ (یہ شعر دیوان الحماسہ میں اس طرح مذکور ہے:

مسبل فی الحی احوی رفل واذا یغزو فسمع آزل

۷۲ تدبر قرآن - ۹/۳۱۵ ۷۳ دیکھیے راقم کا مضمون - مفردات القرآن: ایک مطالعہ - فکر ونظر - مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ - ۱۹۹۶ء ۱/۳۳ - ص ۱۳ - ۳۶

۷۴ تدبر قرآن ۹/۳۱۵ ۷۵ اس سلسلے میں دیکھیے راقم کا مقالہ مفردات القرآن

۷۶ تدبر قرآن - ۹/۴۲۶ ۷۷ دیوان النابغہ الذبیانی - ص ۹۳

۷۸ تدبر قرآن - ۹/۵۰۲ ۷۹ دیوان الحماسہ ص ۲۰۶

۸۰ تدبر قرآن - ۹/۵۲۲-۵۲۳ ۸۱ دیوان الحماسہ ص ۱۹۵

۸۲ تفسیر نظام القرآن ص ۳۳۹ ۸۳ دیوان امرالقیس ص ۲۷

۸۴ تفسیر نظام القرآن ص ۳۳۹ ۸۵ تفسیر نظام القرآن - ص ۳۴۵

۸۶ خمسۃ دواوین العرب ص ۲۸ ۸۷ ایضاً - ص ۲۸

۸۸ وضاحت کے لیے دیکھیے، تفسیر نظام القرآن - ص ۳۸۳ - ۳۹۶

۸۹ ایضاً - ص ۳۹۲ ۹۰ ایضاً ۹۱ ایضاً ص ۳۸۷، ۳۸۹

۹۲ تدبر قرآن ۹/۶۳۲ ۹۳ تفسیر نظام القرآن ص ۴۸۶

نوٹ: مضمون نگار نے تدبر قرآن میں کلام عرب سے استشہاد کے لیے مستعمل تمام اشعار نقل کرنے کی بات کہی ہے۔ لیکن چند مقامات ان سے چھوٹ گئے ہیں۔ مثلاً ملاحظہ کیجیے البقرہ - ۱۸۲، بنی اسرائیل ۸۹، الحج: ۱۵، الفرقان: ۳۸، ق: ۲۹، قمر: ۱۷ کی تفسیر کے تحت منقول اشعار (ادارہ)